شمع هدایت

عبد الرحمن شاہ ولی

خلق و ابداع کے باب میں قادر مطلق إله العالمین کی یہ سنت ہے کہ شیء کو اس کے نقیض سے پیدا کرتا ہے۔ کم عقل اس کے سمجھنے سے عاجز رہتے ہیں، اور شکوک و شبہات میں پڑ کر زندقہ و الحاد کا شکار ہوتے ہیں۔ نتیجةً بے اطمینانی، ذلت، ہلاکت ابدی اور تباہی ان کا مقسوم ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے اس اصول إبداع کی طرف انسانی عقل کو بار بار متوجہ کیا ہے تاکہ اس پر نہ صرف رب العزت کی قدرت اور حکمت کا راز کھل جائے، بلکہ کائنات کی ابتداء اور انتہاء کی کیفیت بھی واضح ہو جائے۔ قرآن کریم کی یہ آیات اس مسئلے کی طرف اشارہ کرتی ہیں: "قل اللهم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء و تعز من تشاء و تذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیٔ قدیر۔ تولج اللیل فی النہار و تولج النہار فی اللیل و تخرج الحی من المیت و تخرج المیت من الحی و ترزق من تشاء بغیر حساب" کہہ اے اللہ بادشاہت کے مالک، تو جس کو چاہے حکومت دیتا ہے اور جس سے چاہے اقتدار چھین لیتا ہے اور جس کو چاہے عزت دیتا ہے، اور جس کو چاہے ذلیل کرتا ہے۔ تیرے دست قدرت میں خیر ہے تو ہر چیز پر قادر ہے رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور جس کو چاہے بےحساب رزق دیتا ہے۔

مندرجہ بالا آیات کے مفہوم سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عظیم بادشاہت والا جس کو مندرجہ بالا امور پر دسترس حاصل ہے صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی کی ذات محکومیت کو حاکمیت سے ذلت کو عزت سے بدل سکتی ہے۔ پھر وہی

ہے جو تاریکی کو روشنی سے اور روشنی کو تاریکی سے پیدا کرتا ہے، وہی ہے جو زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے پیدا کرتا ہے ۔ ان باتوں کا مطلب یہ ہوا کہ ایک ضد کو دوسری کی جگہ پر رکھنا اور شیٔ کو اس کے نقیض سے پیدا کرنا ابداع الٰہی کا کرشمہ ہے۔ صرف عناصر اور خام سواد میں تبدیلی اور ترکیب و تحلیل کے عمل کا نام خلق و صنع ہے ابداع نہیں۔

اسی اصول کے تحت قرآن نے بعث بعد الموت کے منکرین کو بھی سمجھایا :
" و قالوا من یحی العظام و ھی رمیم ، قل یحییھا الذی انشأھا اول مرۃ و ھو بکل خلق علیم " انھوں نے کہا کہ بوسیدہ ھڈیوں کو کون زندہ کرے گا ؟ آپ کہہ دیں وھی ان کو دوبارہ زندہ کرے گا جس نے پہلی بار پیدا کیا ، اس کے علم میں ھر قسم کا خلق اور ابداع ہے۔ یعنی وہ خالق حکیم جس نے ان ھڈیوں کو بلا کسی سابق مثال کے عدم محض سے پیدا کیا ہے بلکہ سارے وجود کو عدم ھی سے پیدا کیا ہے، اس کے لئے بوسیدہ ھڈیوں کا جمع کرنا اور انھیں جوڑ کر زندہ کرنا کسی طرح مشکل نہیں ھو سکتا۔

ایک کج فہم یا کم عقل یہ سوال اٹھا سکتا ہے کہ وجود کو عدم سے پیدا کرنا جمع ضدین ہے جو کہ عقلاً محال ہے۔ قرآن کریم نے اپنے اعجاز فصاحت و بلاغت سے مختصر مگر جامع ترین کلمات کے ذریعہ انتہائی وضاحت سے اس کو یوں سمجھایا : " الذی جعل لکم من الشجر الاخضر نارا فاذا انتم منہ توقدون۔ وہ ذات الٰہی جس نے سبز درخت سے تمھارے لئے آگ پیدا کی پس تم اس سے آگ جلاتے ھو۔ یعنی وہ حکیم و قدیر جس نے سبز درخت کے اندر آگ اور پانی کو جمع کیا ہے اس کے لئے یہ کوئی مشکل نہیں کہ وہ مردوں کو زندہ کر دے۔ تو واضح ھوا کہ وجود کو عدم سے اور شیٔ کو اس کے نقیض سے پیدا کرنا سنت ابداع کے عین مطابق ہے۔ بلکہ اگر انسان عقل سے کام لے اور غور و فکر کرے، تو ایجاد اور ابداع کا اور کوئی طریقہ نظر ھی

نہیں آتا۔ اس لئے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ وجود عدم سے نہیں پیدا ہوا تو ظاہر ہے کہ پھر وجود وجود ہی سے پیدا ہوا ہوگا، کیونکہ وجود اور عدم کے درمیان کوئی واسطہ تو ہے نہیں، یعنی ان کے درمیان کوئی تیسری چیز ہی نہیں اور وجود کو وجود سے پیدا کرنا عقلاً اس لئے محال ہے کہ تحصیل حاصل ہے جو کہ ہر حال میں لا معقول ہے، اس سے مادہ پرستوں اور قدم عالم کے حامیوں کو بھی مسکت جواب ملتا ہے، اور یہی ابداع کائنات کا راز ہے۔

اسی اصول خلق و ابداع کے تحت رب العزت نے ہمیشہ جہل و ظلمت، ظلم و استبداد، کفر و شرک، تضلیل و عبودیت کے اندھیروں میں چراغ ہدایت جلایا! انسانیت کے ابتدائی دور سے لے کر اس کے کمال عقل اور پختگی مزاج کے دور تک مختلف اقوام میں انبیاء ہدایت ربانی لے کر آئے، "و ان من امة الا خلافیها نذیر" ہر قوم میں ہوشیار کرنے والا گزرا ہے۔ "ولکل قوم هاد" اور ہر قوم کے لئے رہنما ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل میں تو نبوت کا حلقہ اتنا وسیع سمجھا گیا تھا کہ ہر پیشین گوئی کرنے والے کو نبی سمجھا جاتا تھا چاہے اس کے اعمال کچھ بھی ہوں۔ پھر انبیاء کو ابناء اللہ کہہ کر بھی پکارا گیا۔ بہر حال بنی اسرائیل اس افراط و تفریط میں مبتلا رہے۔

انسانیت کی طفولیت اور شباب کے ادوار میں انسانی مزاج اور استعداد کے مطابق انبیاء ہدایت لے کر بکثرت آتے رہے۔ پھر ان کا حلقہ تنگ ہوتا گیا۔ یہاں تک جب انسانیت پختگی عقل و فہم تک پہنچی تو ان کے پاس رحمة للعالمین دین کامل کا چراغ لے کر آئے۔ تا قیامت آپ کی رہنمائی باعث نجات ہے، اور اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمایا: "الیوم اکملت لکم دینکم" آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ ابوالبشر آدم سے جو سلسلہ رشد و ہدایت شروع ہوا تھا، وہ آنحضرت کی رسالت سے کمال کو پہنچا۔ یہ دین کامل

تا ابد خدا کی حفاظت سے محفوظ رہے گا ، اس میں کبھی کوئی تحریف و تبدیلی نہیں کی جا سکتی ۔ " انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون " ہم ہی نے اس نصیحت و ہدایت کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں ۔ اور یہیں سے فلسفۂ ختم نبوت سمجھ میں آتا ہے کیونکہ جب آپ کی تعلیمات کامل اور محفوظ ہیں تو نئے نبی کی آمد نہ صرف فضول بلکہ باعث تشویش اور اضطراب معاشرہ ہے ۔ اس لئے آپ خاتم النبیین ٹھہرے اور آپ نے نبوت کے جھوٹے دعویداروں سے امت کو پوری طرح خبردار کیا ۔

خاتم الانبیاء کی آمد سے امت مسلمہ کے نقائص خوبیوں سے بدل گئے ، جس کو قرآن نے اپنے بلیغ انداز میں یوں بیان کیا ہے " اولئك الذین بدل الله سیئاتهم حسنات " یہ وہی لوگ ہیں جن کی برائیوں کو خدا نے خوبیوں سے بدل دیا ہے ۔

دروغ گوئی کی جگہ صداقت اور سنگدلی کی جگہ رأفت و رحمت آئی ، ظلم کو عدل سے بدلا ، جہالت کی جگہ علم و حکمت نے لی ، شرک و غلامی کی جگہ حریت اور توحید آئی ، خود پسندی اور تکبر کی جگہ تواضع اور انکساری کو فروغ ہوا ، عصبیت اور تنگ نظری کی جگہ رواداری ، اخوت اور مساوات نے لی ۔ غرض یہ کہ تمام برائیاں چاہے وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی خوبیوں سے بدل گئیں ، اور اس کی ہزاروں مثالیں اسلامی تاریخ میں ملتی ہیں اس طرح الله نے ان خوبیوں کو ان کے اضداد سے پیدا کیا ، اور اندھیروں کو روشنی سے بدل دیا ۔ اور یہی وجہ تھی کہ الله تعالیٰ نے آنحضرت کو سراج منیر کا لقب دیا ۔ " یا ایها النبی انا ارسلناك شاهدا و مبشرا و نذیرا و داعیا الی الله باذنه و سراجا منیرا " اے نبی ہم نے بھیجا آپ کو گواہی دینے والا خوشخبری سنانے والا ہوشیار کرنے والا اور خدا کی طرف اس کے اذن سے بلانے والا ، اور چراغ روشنی کرنے والا ۔ یہاں ہم کو صرف سراج منیر کے مفہوم سے سروکار ہے ،

باقی صفات رسالت آیت میں جن کا ذکر ہے مفسرین نے وضاحت سے بیان کی ہیں۔

میں یہ نہیں کہتا کہ عربوں میں قبل از اسلام کوئی خوبی نہیں تھی وہ علم اور تہذیب سے بیگانہ تھے۔ کیونکہ کسی قوم کے لئے یہ ممکن ہی نہیں۔ ہر قوم میں عقلی روحانی اور مادہ پرستی کے رجحانات پائے جاتے ہیں۔ پھر عرب جوکہ زبردست نفسیاتی طاقتوں کے مالک تھے اور جن کی شجاعت، ذکاوت، فصاحت قوت حافظہ، مروت اور مہمان نوازی انتہائی شہرت حاصل کر چکی تھی، ان کے متعلق یہ کہنا کہ وہ قبل از اسلام کسی خوبی کے مالک نہ تھے، یقیناً ناانصافی ہے۔ بلکہ ان کا موضع انتخاب رسالت ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ایک طرف تو ان کے اندر ایسی استعداد اور طاقت موجود تھی کہ اگر اس سے کام لیا جاتا اور ان کو راہ راست پہ لگایا جاتا تو وہ پوری انسانیت کے لئے اسوہ اور باعث خیر بن سکتے تھے، دوسری طرف ان کے اندر ایسی خرابیاں اور بری عادات موجود تھیں جنھوں نے ان کی تمام مفید قوتوں کو معطل کر رکھا تھا یہاں تک کہ ان کی اجتماعی حالت پر سرسری نظر ڈالنے والے ان کو محض حیوان ہی سمجھتے تھے، اس لئے یہ قوم رسالت محمدی کے لئے اگر ایک طرف زیادہ موزوں تھی تو دوسری طرف یہ اس کی سب سے زیادہ محتاج بھی تھی، اور شاید یہی وجہ تھی کہ اللہ نے آپ کو عرب میں سے چنا اور آپ نے سب سے پہلے اپنی قوم کی اصلاح شروع کی۔ پھر اس قوم کے اونٹوں کے چرواہے، اجرت پر لڑنے والے، اپنی بچیوں کو زندہ درگور کرنے والے، بڑی بےباکی سے انسان کا خون نا حق بہانے والے چند سال کے اندر ایسے با اخلاق اور رہنما بن گئے جوکہ تمام دنیا کے لئے تا قیامت نمونہ ہیں، جن کو خدا نے ''راشدون'' کے لقب سے نوازا۔ یہ سراج منیر کا معجزہ تھا جس کے متعلق قرآن نے کہا ہے: یخرجھم من الظلمات الی النور۔ وہ ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف لے آتا ہے۔ اس کا احساس ان کو اسلام کے بعد پوری وضاحت سے ہوا، ابو سفیان بن الحرث کے یہ اشعار اسی تاثر کا نتیجہ ہیں:

لعمرک انی یوم احمل رآیة لتغلب خیل اللات خیل محمد

مجھے قسم ہے کہ جب میں علم جنگ اٹھا کر لات کے شہسواروں کو محمد کے شاہ سواروں پر غالب کرنے کے لئے لڑ رہا تھا۔

لکا لمدلج الحیران اظلم لیلہ - فھذا اوانی حین اھدی و اھتدی

تو میں اندھیری رات میں داخل ہونے والے حیران شخص کے مانند تھا جس کی رات کی تاریکی بہت زیادہ ہو، پس یہ میرا وقت ہے جب مجھے ہدایت کی گئی اور میں راہ راست پر آیا۔ لیکن صرف عرب میں قبل از اسلام شرک و بت پرستی قتل و غارت گری کا بازار گرم نہیں تھا بلکہ پوری دنیا ظلم اور شرک جنگ و جدال کے اندھیروں میں گھری ہوئی تھی، عرب اپنی بچیوں کو زندہ درگور کرتے تھے تو ہندوستان کے راجپوت اپنی بچیوں کو قتل کر دیتے تھے۔ اگر عرب لات و منات و عزیٰ کی عبادت کرتے تھے تو دنیا کی دوسری اقوام بھی اس میدان میں ان سے پیچھے نہ تھیں۔

بت پرستی کے متعلق مؤرخین کا خیال ہے کہ یہ بیماری اللہ کی صفات کی تشبیہ اور تمثیل سے شروع ہوئی تھی۔ خدا کو اپنے بندوں سے جو محبت اور لطف و کرم ہے اس کو تمثیل سے مجسم کرکے بت کی صورت میں پیش کیا گیا۔ آریہ قوموں نے خدا اور بندہ کے اس تعلق کو تشبیہاً ماں اور بیٹے کے تعلق سے تعبیر کیا اور خدا کو ماتا کی صورت میں پیش کیا۔ بعض فرقوں نے اس کو زن و شوھر کے الفاظ سے تعبیر کیا اور فقیروں نے اس حقیقت کو نمایاں کرنے کے لئے ساڑھی اور چوڑی پہنی۔ اسی طرح رومیوں اور یونانیوں کے ہاں بھی خدا کو عورت کی شکل میں ظاہر کیا گیا۔ سامی قوموں کے ہاں چونکہ عورت کا برملا ذکر تہذیب کے خلاف سمجھا جاتا تھا اور خاندان کی اصل بنیاد باپ کو قرار دیا گیا تھا، اس لئے بابل و شام کے کھنڈروں سے خدا مرد کی صورت میں نکلا بنی اسرایل کے بعض ادوار میں خدا باپ اور فرشتے اور انسان اس کی اولاد قرار

پائے۔ اس کے بعد صرف بنی اسرائیل کو اس کی اولاد ٹھہرایا گیا۔ ان کے ہاں خدا کے شوہر اور یرو شلم اور بنی اسرائیل کے بیوی ہونے کا تصور بھی ملتا ہے، اسی طرح عیسائیوں کے ہاں باپ بیٹے کی تمثیل نے حقیقت کی جگہ لے لی، اور عربوں میں بھی خدا کے باپ اور فرشتوں کے بیٹیاں ہونے کا تخیل موجود تھا غرض کہ شرک اور بت پرستی میں اس زمانے کے عرب ہی مبتلا نہیں تھے بلکہ تمام دنیا میں ظلم اور شرک کا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔

آسمانی صحیفے جو کہ انسانی سعادت اور ہدایت کے لئے اترے تھے، احبار و رھبان نے ان کو اپنے دنی مقاصد کا ذریعہ بنایا، حق کو باطل کے ساتھ گڈ مڈ کر کے پیش کیا، خدا کے بندوں میں مال و جاہ کے لحاظ سے تفاوت اور مدارج پیدا کئے گئے، انسانی عدل اور مساوات کو ختم کیا گیا، وضیع و شریف کے لئے الگ الگ ضوابط بنائے گئے، جس سے معاشرہ میں ہر قسم کا فساد اور ظلم و طغیان عام ہوا۔ تلمود جو کہ تورات کی یہودی تفسیر ہے اس کے مندرجہ جملوں سے تحریف تورات کا اندازہ ہوتا ہے:

(۱) یہودی کے لئے یہ جائز ہے کہ غیر یہودی کے سامنے جھوٹی قسم کھائے اور زبان سے وہ کہے جو دل میں نہیں ہے۔

(۲) اس میں کوئی گناہ نہیں کہ یہودی غیر یہودی عورت سے زنا کرے۔

(۳) یہودی کا غیر یہودی پر رحم کرنا ناجائز ہے۔

(۴) یہودی کے لئے یہ جائز نہیں کہ غیر یہودی کو بلا سود قرض دے۔

(۵) یہودی کے لئے یہ جائز ہے کہ غیر یہودی کے ساتھ لین دین میں دھوکہ کرے۔

بنی اسرائیل کے نزدیک دنیا بنی اسرائیل ہی کا نام اور خدا صرف انہی کے لئے ہے۔ یہی تصور ایران کے زردشتیوں اور ہندوستان کے آریوں کے ہاں بھی ملتا ہے۔ کیونکہ وہ بھی بنی اسرائیل کی طرح اپنے آپ کو منتخب و مختار سمجھتے تھے دوسرے لوگ ان کی نظر میں خدا کی بندگی اور عبادت کی قابلیت بھی نہیں رکھتے۔

رحمت عالم:

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و سلم کی آمد سے یہ تمام اندھیرے جاتے رہے۔ اس کی جگہ روشنی اور انسانی سعادت آئی، خدا اور بندہ کے درمیان تمام و سیلے اور واسطے ختم ہوگئے۔ "و قال ربکم ادعونی استجب لکم۔ تمہارے رب نے کہا کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ یہ خطاب کسی خاص قوم، برھمن یا عرب سے نہیں، ہر اس انسان سے ہے جس کو خدا سے تعلق مقصود ہے۔ پھر جہنم بھی کسی خاص قوم کے لئے نہیں بلکہ ہر مغرور اور متکبر کے لئے ہے جو قانون الہی سے بغاوت کرتا ہے۔ "ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جہنم داخرین" جو لوگ بر بنائے کبر، اللہ کی عبادت سے روگردانی کرتے ہیں وہ ذلیل ہوکر جہنم میں داخل ہوں گے۔ جس طرح خدا کی خدائی عالم گیر ہے اسی طرح مصطفیٰ بھی سب کے لئے سراج منیر ہے۔ "إن هو إلاذکری للعالمین" وہ نہیں ہے مگر نصیحت پوری دنیا کے لئے۔ قل یا ایها الناس إنی رسول الله الیکم جمیعا۔ کہہ دو اے لوگو میں تمہاری سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا۔ بابرکت ہے وہ جس نے اپنے بندہ پر فیصلہ کن کتاب اتاری ہے تاکہ وہ تمام دینا کو ہوشیار کرنے والا ہو "و ما ارسلناک الا کافة للناس بشیرا و نذیرا" ہم نے بھیجا ہے آپ کو تمام انسانوں کے لئے ہوشیار کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا "و ما ارسلناک الا رحمة للعالمین" اور ہم نے آپ کو رحمت عالم بنا کر بھیجا ہے۔

آنحضرت کی عالم گیر رسالت کا نتیجہ ہے کہ ایک مسلمان کا انسانی اخوت اور مساوات پر بہت پختہ اور غیر متزلزل عقیدہ ہوتا ہے، اس لئے کہ قرآن کریم نے نسل اور رنگ کے امتیاز کے لئے کوئی گنجایش باقی نہیں رکھی۔ شرافت، عزت اور بزرگی کا مدار رنگ و نسل پر نہیں بلکہ عمل اور سعی و جہد پر ہے۔ آپ نے نیک عمل کی طرف تمام انسانوں کو یکساں دعوت دی، اور معاشرہ میں

عزت کا مستحق نیز خدا کا مقرب اس کو بتلایا ہے جس کے اعمال خیر کا پلہ بھاری ہو۔ و قل اعملوا فسیری اللہ عملکم و رسولہ۔ آپ کہہ دیں کہ عمل کرو اللہ اور اس کا رسول تمہارے عمل کو دیکھے گا۔ قرآن نے نجات کا سبب صرف عملی اور علمی کام یابی کو قرار دیا ہے۔ " ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا و عملوا الصالحات " سب انسان ٹوٹے میں ہیں مگر وہ نہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کیا۔ اور فرمایا " و لیس للانسان الا ما سعی " انسان کے لئے وہی ہے جو کچھ وہ کوشش کرے۔ "کل نفس بما کسبت رھینة " ہر فرد اپنے کام کے عوض گروی ہے۔ قرآن میں یہ کہیں نہیں ملتا کہ اللہ کسی خاص قوم قبیلہ یا خاندان کو پسند کرتا ہے، یا اس کو کوئی امتیاز دیتا ہے، بلکہ بار بار ارشاد ہوتا ہے کہ خدا کے لطف وکرم کے مستحق چند صفات والے ہیں۔ چاہے وہ کوئی بھی ہوں اور ان کا تعلق کہیں سے بھی ہو۔ " ان اللہ یحب التوابین و یحب المتطھرین " اللہ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور پاک بازوں کو محبوب رکھتا ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ کی پسند کا معیار کچھ صفات اور اعمال ہیں نہ کہ ذات، نسل یا قومیت۔ انا خلقنا کم من ذکر و انثی و جعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔۔ ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا پھر باہم تعارف کی خاطر تم کو قبائل اور خاندانوں میں بانٹ دیا۔

یہ ہے اسلام کی عادلانہ مساوات جو کہ مکافات عمل کی مساوات ہے۔ ظالم و عادل، چست و کاہل اور عالم و جاہل میں ظالمانہ مساوات ہرگز مطلوب نہیں۔ قرآن نے صاف فرما دیا ہے: ھل یستوی الذین یعلمون و الذین لا یعلمون " کیا عالم و جاہل برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ قرآن میں بہت سی ایسی آیتیں ہیں جو کہ اس غیر عادلانہ تصور کی نفی کرتی ہیں۔ پھر نبی کریم نے رنگ و نسل کے امتیاز کو جاہلیت قرار دے کر اس کی پوری بیخ کنی فرما دی۔ ایک جلیل القدر

صحابی نے کسی موقعہ پر دوسرے سے کہا۔ یا ابن السوداء۔ اے کالی عورت کے بیٹے جس پر آپ نے سخت تنبیہ فرمائی اور اس کو مخاطب کر کے کہا " انک امرؤ فیک جاهلیة " تم میں جاهلیت ہے۔ اسی جذبہ عدل و مساوات کے تحت آپ نے ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جس میں کوئی شخص خود کو بالا تر اور دوسرے کو کمتر نہیں سمجھ سکتا تھا اور نہ کوئی احساس کمتری میں مبتلا ہو سکتا تھا، نہ ذلت کی بے دلی تھی نہ غرور کا نشہ، زندگی کے ہر معاملے میں اعتدال پوری قوم کا شعار تھا، سب مسلمان برادری کے رشتہ میں منسلک تھے۔ انما المؤمنون اخوۃ۔ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اس کو آپ نے عملی جامہ پہنایا۔

فتح مکہ کے وقت آپ نے ارشاد فرمایا: " یا معشر قریش ان اللہ قد اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ، و تعظمھا بالآباء۔ الناس من آدم و آدم من تراب "

اے قریشیو۔ اللہ نے تم کو جاهلیت کے غرور اور آباء و اجداد پر فخر سے پاک کر دیا ہے۔ سب انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔

اس اخوت، مساوات اور عدل کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کے معاشرہ میں اگر کسی سوار کا کوڑا گر جاتا تو خود اتر کر اٹھاتا اور دوسرے سے اٹھانے کے لئے نہ کہتا۔ خود رسول اکرم جہاد کے لئے نکلتے تو فوج کے پیچھے تشریف لے جاتے تاکہ کمزور کی مدد کر سکیں اور پیچھے رہ جانے والوں کو ساتھ سوار کرائیں۔ آپ کے اس طرز عمل کو قرآن نے بارہا قابل ستایش قرار دیا اور اس کو خدا کی نعمت سے تعبیر کیا: " لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم " تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آیا ہے جس پر تمہاری تکالیف گراں گذرتی ہیں وہ تمہاری بھلائی کا بھوکا ہے اور ایمان والوں پر انتہائی مشفق اور مہربان ہے۔ اس بے انتہا رحم و رافت کو نعمت الہی کہا گیا ہے۔ فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم۔ آپ اللہ کی مہربانی سے ان کے ساتھ نرم دل ہیں۔

نبی کریم نے اپنے اس حکیمانہ اور رحیمانہ اسلوب سے عدل و مساوات اور انسانی اخوت کو عملی جامہ پہنایا۔ اور خود دوسروں کے لئے نمونہ بنے۔ پیغمبر اسلام اور دیگر مذاہب کے پیشواؤں میں یہ ایک بنیادی فرق ہے کہ آپ کی ذات گرامی خود اسلامی تعلیمات کا مجسم نمونہ تھی دیگر مذاہب کی طرح رسول اکرم نے صرف مواعظ پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ قول محض کو جو عمل سے خالی ہو قابل عتاب قرار دیا گیا "کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا مالا تفعلون" خدا کے نزدیک تمہاری وہ باتیں باعث غضب ہیں جن پر تمہارا عمل نہ ہو۔

رسول اسلام سب سے پہلے اور سب سے زیادہ پابند عمل تھے۔ اس لئے خدا کی طرف سے آپ کو اس اعلان کا حکم ہوا: "قل ان صلوتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین و بذلک امرت و انا اول المسلمین" آپ کہہ دیں کہ میری نماز اور حج اور زندگی اور موت اللہ ہی کے لئے ہے اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں پہلا مسلمان ہوں۔ گویا رسول اکرم کی ذات قرآن کا عملی نمونہ تھی اور یہی وجہ تھی کہ جب حضرت عائشہ سے آپ کی سیرت کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: و کان خلقہ القرآن۔ آپ کا اخلاق قرآن تھا۔ اور اسی وجہ سے آپ کے اعمال انسانیت کے لئے نمونہ قرار دئیے گئے۔ "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" بے شک تمہارے لئے رسول خدا کی زندگی میں بہتر نمونہ ہے۔ آپ کی اتباع کو قرب الہی کا ذریعہ قرار دیا گیا کیونکہ آپ عملی قرآن تھے: قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ" آپ کہہ دیں کہ اگر تم کو اللہ سے محبت ہے تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔ یہ اس لئے کہ آپ کی اتباع درحقیقت اتباع الہی تھی کیونکہ آپ کی زندگی منشأ الہی کے عین مطابق تھی۔

"و من یطع الرسول فقد اطاع اللہ" جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی اور یہی پیغمبر کی عصمت کی قوی برہان ہے۔ پیغمبر اسلام نے انسانی کرامت و شرافت کو بحال کیا۔ انسان کو شرک اور غلامی سے نجات

دلا کر حریت اور توحید کی راہ پر لگایا ، انسانیت کے بکھرے ہوئے شیرازے کو یکجا کر کے ایک عظیم قوت بنائی ۔ جس سے انسانیت کو باعزت بلا خوف و خطر چین سے زندگی گزارنے کا موقعہ ملا ، جس سے انسانیت راہ ترقی پر گام زن ہوئی :
یا ایها الذین اٰمنوا اتقوا اللہ حق تقاته ولا تموتن الا و انتم مسلمون ، و اعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا و اذکروا نعمة اللہ علیکم اذکنتم اعداء فألف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمته اخوانا و کنتم علی شفاحفرة من النار فانقذکم منها کذلک یبین اللہ لکم آیاته لعلکم تهتدون ۔

اے ایمان والو خدا سے ایسا ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور اسلام ہی کی حالت میں مرو اور خدا کی رسی کو مضبوطی سے مل کر تھام لو ۔ اور تفرقہ پیدا نہ کرو اور خدا کی اس نعمت کو یاد کرو جب کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کی الفت ڈالی پس تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی ہوگئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تھے سو خدا نے تم کو اس سے بچا لیا اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ ۔

یہ تھی نزول قرآن کے وقت انسانی معاشرے کی حالت ۔ نبی اسلام نے اس کو تعمیر و ترقی اور کامرانی کی راہ پر لگایا ، اور قیامت تک کے لئے قرآن اور سنت کو مشعل راہ بنایا ۔ جس کی روشنی میں فتح و نصرت کی منازل طے کرنا نہ صرف آسان بلکہ لازمی نتیجہ ٹھہرا ۔ رسول اکرم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر اعلان فرمایا تھا : " ترکت فیکم الثقلین کتاب اللہ و سنتی " میں تم میں دو مرکز ثقل چھوڑتا ہوں خدا کی کتاب اور اپنی راہ عمل ۔

آپ نے کتاب اور سنت سے اخلاق اور عبادات کے تمام اصول و فروع بیان فرمائے اور معاملات اور تعزیرات کے اصول کی وضاحت کی اور استنباط فروع کے لئے قیاس و اجتہاد کی گنجایش رکھی تاکہ زمان و مکان کے لحاظ سے انسان اپنی بھلائی کے لئے ان واضح اصولوں کی روشنی میں قانون سازی کا کام کرسکے